امراؤ جان ادا میں سماجی و ثقافتی تبدیلی

ڈاکٹر محمد نعیم

ABSTRACT:

To determine the social status of a person, Sorokin coined the idea of social space. This theme is useful in analyzing the relative position of a person in her/his group and her/his horizontal or vertical movement within and to other groups. Novel is a symbolic space, which makes possible for writers to construct the relative social status of characters. The position given to a character and her/his mobility may be studied in light of Sorokin's ideas. It may help us in understanding the role of economy in achieving the agency implied by the social mobility in ***Umrao Jan Ada***.

کسی ثقافت میں سماجی تبدیلی کا جائزہ کیسے لیا جا سکتا ہے؟ کوئی شخص کس سماجی مقام و مرتبے کا حامل ہے، اس کا تعین کن بنیادوں پر کیا جاتا ہے؟ کسی فرد کے سماجی مقام و مرتبے کے تعین اور اس میں تبدیلی کے تجزیے کے لیے سوروکن نے سماجی منطقے (Social Space) کا تصور پیش کیا۔(۱)اس کے بقول جغرافیائی خطے اور سماجی منطقے میں فرق پایا جاتا ہے۔کسی فرد کا مقام و مرتبہ اس کے جغرافیائی انسلاک سے طے نہیں ہوتا۔سماجی منطقہ تمام دنیا کی انسانی آبادی پر مشتمل ہے۔اس منطقے میں کسی فرد کی حیثیت کا تعین دیگر افراد سے اس کے تعلق کی نوعیت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

سماجی علوم نے کسی انسان کی معاشرتی حیثیت کے تعین کے لیے جو طریقہ کار وضع کیا ہے اس کے خدوخال سوروکن نے اس طرح واضح کیے: (الف)اولاً فرد کے سماجی گروہ کا تعین۔(ب) کسی خاص آبادی میں پائے جانے والے سماجی گروہوں کے باہمی تعلق کی نشاندہی۔ (ج)اس آبادی کے دیگر انسانی آبادیوں سے تعلق کو واضح کرنا۔اس خاکے سے واضح ہے کہ کسی فرد کی سماجی حیثیت کا تعین کرنے کے لیے اس کے خاندان، سماجی گروہ، ریاست،قومیت، اگر فرد کسی کثیر مذہبی سماج سے متعلق ہے تو اس کا مذہبی گروہ ، معاشی مرتبہ اور اس کی نسل سے

واقفیت پہنچانا لازمی ہے۔(۲)

سماجی منطقہ (Social Space) انسانی آبادی کی کل کائنات پر مشتمل ہوتا ہے۔کسی انسان کی حیثیت کا تعین ایک اضافی (Relative)امر ہے۔فرد کا مقام اس کی متعلقہ آبادی کے تمام گروہوں سے اس کے تعلق اور اس آبادی کے دیگر اراکین سے اس کے رشتے کی نوعیت پر منحصر ہے۔اس کی سماجی حیثیت انھی رشتوں سے طے ہوتی ہے۔کسی آبادی میں موجود تمام گروہ اوران کے اراکین کی کلیت سے سماجی تعلقات کا ایک نظام تعمیر ہوتا ہے جو ہمیں کسی انسان کی سماجی حیثیت متعین کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔مماثل سماجی گروہ اور سماجی گروہوں میں یکساں حیثیت کے حامل مختلف جغرافیوں اور آبادیوں سے تعلق رکھنے کے باوصف ایک ہی 'سماجی مقام' (Social Position) کے حامل ہوتے ہیں۔

سماجی کائنات دوسمتوں پر مشتمل ہے: افقی اور عمودی۔ افقی سمت طے کرتی ہے کہ انسان کا تعلق، کس سماجی گروہ (مزدور، کسان، سیاست دان، صنعت کار) سے ہے اور عمودی سمت سے اس خاص سماجی گروہ کے اندر انسان کی حیثیت کا تعین ہوتا ہے۔مثال کے طور پر لیکچرر، پروفیسر، وی سی وغیرہ ایک ہی سماجی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں تاہم عمودی طور پر ان کے مقام میں فرق ہے۔اس بنیاد پر سماجی تبدیلی کی بھی دوطرفیں ہیں: افقی، جب سماجی مقام تبدیل کرنے سے مرتبے پر کوئی فرق نہیں آئے۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ ایک پیشہ ورکوئی دوسرا پیشہ اختیار کرے تاہم اس کی معاشی یا سماجی حیثیت تبدیل نہ ہو۔ دوسری تبدیلی کی نوعیت عمودی ہے۔جس میں ایک فرد کسی ایک گروہ کے اندر یا دوسرے گروہ میں جائے اور مرتبے کے اعتبار سے اس کی حیثیت میں تبدیلی آجائے، جیسے عہدے میں ترقی ملنا۔فرق دو بنیادوں پر ماپا جاسکتا ہے معیشت یا تعزز کی بنیاد پر۔معیشت میں بہتری ہونا یا عزت میں کمی / بیشی اس کی مثالیں ہیں۔ عمودی تبدیلی اس طرح صعودی (Ascending) یا نزولی (Descending) ہوسکتی ہے۔اردوناول میں اس کی مثالیں آسانی سے تلاش کی جاسکتی ہیں۔ یہاں سماجی تبدیلی کے تصور کی روشنی میں **امراؤ جان ادا** کا جائزہ لیا جائے گا۔ امیرن کا امراؤ بننا، معیشت کے اعتبار سے بہتری کا حامل ہے، یہ تبدیلی صعودی (Asending) ہے۔ہم تفصیل سے دیکھیں گے کہ کیا اسے معروضی طور پر طے کیا جا سکتا ہے کہ یہ تبدیلی کس نوعیت کی ہے؟ **شاہدِ رعنا**(۱۸۹۶ء) کی مرکزی کردار نھی بھی سماجی تبدیلی سے گزرتی ہے: وہ شادی کر کے معاشی اعتبار سے کمزور درجے میں آجاتی ہے، تاہم عزوشرف کے لحاظ سے اس کا درجہ بڑھ جاتا ہے۔

سماجی تبدیلی بہتری کے دو بنیادی اشاریے رکھتی ہے: کہتر معاشرتی یا معاشی حیثیت رکھنے والے / والی کی بہتر حیثیت کے گروہ میں ہجرت ___ فسانہ آزاد کا ہیرو ترکی میں روس سے جنگ لڑنے کے بعد واپسی پر ایک معزز اور مشہور ہستی بن جاتا ہے۔ جانے سے پہلے وہ نوابوں کی مصاحبی جیسے معمولی کام بھی کرتا رہا ہے ___ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی گروہ اجتماعی سطح پر اپنی حیثیت سماجی حوالے سے بہتر بنالے اور اس بہتری کو اجتماعی سطح پر قبولیت بھی حاصل ہو جائے اور یوں سماجی درجہ بندی مین مربوط ہو جائے۔اس کی مثال یہ ہے کہ برعظیم کی طوائفوں کو

بیسویں صدی میں ایکٹرس بن کر ایک نئے سماجی گروہ میں سفر کرنے کا امکان میسر آیا۔ اس سماجی گروہ کو آج تعزز کا اعتراف حاصل ہو چکا ہے۔ سماجی پسماندگی (Descending) کی بھی اسی طرح دو ہی صورتیں ہیں جو درج بالا مثالوں کے برعکس سفر کی روداد کا بیان ہیں۔ کسی فرد کا اپنے گروہ سے کسی کمتر گروہ میں چلے جانا یا کسی گروہ کو سماجی لحاظ سے کمتر درجہ مل جانا___ طوائفوں کو جو رتبہ نوابی عہد میں حاصل تھا، انگریزی دور میں نہ رہا۔ سماجی تبدیلی کے ذریعے ثقافت میں آنے والی اقداری تبدیلی کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

امراؤ بچپن کا ذکر کرتے ہوئے محلے کے لوگوں سے اپنے گھرانے کا 'تقابل' کرتی ہے اور اپنی حیثیت کو بہتر ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ اپنی برتری سماجی اور معاشی حوالوں سے ثابت کرتی ہے۔ محلے دار ''ایسے ہی ویسے لوگ'' تھے۔ وہ وجاحت کرتی ہے کہ محلے دار ''بہشتی، نائی، دھوبی، [اور] کمہار'' تھے۔ اس کا مکان بھی امتیازی حیثیت رکھتا ہے: ''میرے مکان کے سوا ایک اونچا گھر اس محلے میں اور بھی تھا'' دوسرا اونچا مکان دلاور خان کا ہے۔ اپنی سماجی حیثیت کو مزید نمایاں کرنے کے لیے وہ اپنے ابا کو بہو بیگم کے مقبرے پر نوکر بتاتی ہے۔ یو پی کی مسلم سماجی درجہ بندی شاہی ملازم ہونا بہتر سماجی حیثیت کی علامت ہے۔ پیشہ، مکان کی اونچائی اور شاہی ملازمت، تین ایسے اشارے ہیں جو سماجی درجہ بندی میں امراؤ کی حیثیت کا تعین کر رہے ہیں۔ اہلِ محلّہ سے اپنا امتیاز خود امراؤ نے نمایاں کیا ہے۔ یہ نظر میں رہنا چاہیے کہ بھلے ہی اس کا مکان محلے کے باقی گھروں سے اونچا ہے لیکن ایسی گلی میں مکان کی موجودگی ظاہر کر رہی ہے کہ باقی گھروں سے ان کی معاشی حالت شاید بہت مختلف نہ تھی۔ یہ اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ اس کی ماں خود کھانا پکاتی ہے۔ گھر میں پکانے یا معمولی کام کاج کے لیے کوئی ملازمہ نہیں ہے۔ اس پر مستزاد امراؤ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی خود بہلاتی ہے۔ اس لیے سمجھنا چاہیے کہ ان کی معاشی حالت، سماجی حالت بہتر ہونے کے باوصف بہت اچھی نہ تھی۔

جب امراؤ اپنے بچپن کا تقابل محلے کے دوسرے بچوں سے کرتی ہے تو قریب قریب ہر لحاظ سے خود کو بہتر ہی دکھاتی ہے: ''اچھے سے اچھا کھاتی تھی اور بہتر سے بہتر پہنتی تھی کیوں کہ ہم جولی لڑکے لڑکیوں میں کوئی مجھے اپنے سے بہتر نظر نہ آتا تھا۔''(۳) دیگر گھروں کی نسبت ان کے ہاں روزمرہ استعمال سے زیادہ برتن موجود تھے۔ ان کے گھر بہشتی پانی بھرتا تھا، جبکہ محلے کی عورتوں کو خود بھرنا پڑتا، اس کی ماں ڈولی میں اور ہمسائیاں پیدل مہمان جاتیں۔ تقابل کے دوران وہ اپنے خاندان کے مقابلے میں سسرال خوشحال بتاتی ہے۔ اس کا لہجہ شوقِ مسرت اور حسرت سے معمور ہے۔ گھر، لباس، والد کا پیشہ، دُلھا اور سسرال، سب کو امراؤ نے کسی نہ کسی دوسرے سے تقابل کر کے بہتر ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس امتیازی نقشے کے خاتمے پر امراؤ تاسف سے کہتی ہے: ''میری ناقص عقل میں تو یہ آتا ہے کہ میں اُسی حالت میں اچھی رہتی۔''(۴) امیرن ایک جمعدار کی بیٹی تھی۔ وہ فیض آباد کے گمنام یا عام سے محلے کی رہائشی تھی۔ اسے بھلے ہی محلے کے بچوں میں امتیاز حاصل ہو، لکھنو پہنچی، امراؤ بنی اور شاہی دربار تک رسائی ہوگئی۔ امراؤ جان ادا اسی سفر کی روداد ہے۔

امیرن اپنی مرضی سے امراؤ نہیں بنی۔ خود وہ اپنے گھر کی زندگی کو ہی پسند کرتی تھی۔ اوپر درج بیان سے اس

کی ترجیح واضح ہے۔ امیرن کی بے اختیاری کے باوصف سماجی تبدیلی کا یہ سفر ___ خانم کے کوٹھے پر پہنچنا اور وہاں کی تربیت سے شاہی دربار تک رسائی ہونا ___ ظاہر کرتا ہے کہ ثقافتی منطقے میں یہ محض معاشی نہیں، سماجی اعتبار سے بھی بہتری (Ascending) کا حامل تھا۔ اس سفر ممکن ہوا اس ثقافتی سرمائے (Cultural Capital) سے جو امراؤ نے جمع کیا۔ اس سرمائے کی تفصیل ناول میں جگہ جگہ موجود ہے: موسیقی کی تربیت، جس میں سُر کے اتار چڑھاؤ اور راگ راگنیوں سے واقفیت شامل تھی۔ یہاں محض خوبصورتی یا جسمانی خدوخال سے کامیابی نہیں مل سکتی۔ بیگا جان، جسے ''رات کو دیکھو تو ڈر جاؤ۔ سیاہ جیسے الٹا توا، اس پر چیچک کے داغ ؛ پاؤ بھر قیمہ بھر دو تو سما جائے۔''(۵) اس بدصورتی کے باوجود ''قیامت کا گلا تھا۔ معلومات بہت اچھی تھیں۔'' بیگا جان کی بطور طوائف کامیابی اس کی فن کاری میں مضمر ہے۔ خود امراؤ کا ناک نقشہ غیر معمولی نہیں ہے۔ رسوا نے اسے نہ خورشید جان کی طرح بہت حسین دکھایا نہ بہت بیگا جان کے جیسے بدصورت۔ خوبصورتوں میں اس کا'' شمار نہ ہو سکتا تھا''۔ اس کی طبیعت میں موسیقی سے مناسبت موجود ہے۔ امراؤ کی دوسری اہم صفت خواندگی ہے۔ جس میں فارسی ابتدائی اسباق سے چند کتب کو آموختے کی طرز پر اس طرح پڑھایا گیا کہ ''کتابیں فارسی کی پانی ہو' گئیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ درباروں میں رسائی موسیقی کے سبب مل سکتی ہے، لیکن وہاں 'عزت' اور ''لائق فائق صاحبوں کے جلسے میں منھ کھولنے کی جرأت''(۶) امراؤ کو خواندگی کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔

سماجی تبدیلی کی ایک مثال مقبولیت اور معاشی سرمائے کے اجتماع سے طوائف کو کوٹھے پر، اپنے بنیادی گروہ (Primary Group) میں حاصل ہونے والا اختیار (Agency) ہے۔(۷) اس ناول میں ایک سے دوسرے گروہ میں سفر کے بعد آنے والی سماجی تبدیلی کا بیان ملتا ہے۔ موسیقی، گائیکی، رقص اور ادبی تربیت، ایسا ثقافتی سرمایہ ہے جو امیرن کی حیثیت کو تبدیل کرتا ہے۔ گھر سے کوٹھے تک پہنچنا پہلی تبدیلی ہے اور کوٹھے میں اپنے ثقافتی سرمائے کی مدد سے دیگر گروہوں میں بہتر مقام حاصل کرنا، دوسری تبدیلی ہے۔ ثقافتی سرمائے کی تسلیم اگر سماج میں موجود نہ ہو تو اسے ثقافتی سرمایہ نہیں کہا جا سکتا۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے پیش نظر ایک طوائف کے لیے موجود امکان ہے۔ یہ کل لکھنوی ثقافت کا حال نہیں۔ اردو تنقید اور تحقیق نے عام طور پر لکھنؤ کی تفہیم میں یہ ٹھوکر کھائی ہے۔ ایک ایسی غلطی جس کا شکار عام نقاد تو کجا، رشید حسن خان جیسا معتبر اور محتاط محقق بھی ہو گیا، جس پر نیر مسعود نے سخت اور صائب گرفت کی۔(۸) ثقافتی سرمائے کی پسندیدگی ایسے سماجی گروہوں میں ہے جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح 'رئیس زادے' کے ادارے سے ہے۔ ایک ایسا ادارہ جو اس ثقافتی سرمائے کے حامل تمام افراد کی سرپرستی کرتا تھا۔ اسے کل لکھنوی ثقافت سمجھنا، مجازِ مرسل کی خراب مثال ہے، جسے نیر مسعود نے بجا طور پر 'خواہش زدہ' کہا ہے۔

لکھنوی ثقافتی منطقے (Cultural Space) میں جن اوصاف کو اہمیت حاصل تھی، ان کے بارے اشارے اس ناول میں یہاں وہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ایک صاحب زادے طالب علمی کے لیے لکھنو آئے، شاعری سیکھی، تخلص وضع کیا، آمدن وافر تھی، رکھن نام، راجہ کا خطاب لکھنو والوں نے دیا ''مگر اس نام اور القاب میں

کسی قدر دیہاتیت تھی اور آپ لکھنو کی وضع قطع پر مرتے تھے، اس لیے تھوڑے ہی دنوں میں نواب صاحب بن گئے۔"(۹) دولت، ریاست اور شاعری کا ذوق ناکافی ہے۔اس منطقے میں نوابوں کو احترام ملتا تھا، رکھن میاں کو بھی نواب صاحب بننا پڑا۔یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کسی ثقافت کے خوب کا ہی دم اس میں نووارد کو بھرنا پڑتا ہے۔ثقافت اس کے مطابق خود کو نہیں ڈھالتی۔اس مثال سے یہ سمجھنا آسان ہے کہ امراؤ وہ سب کر رہی ہے جس کی لکھنؤ میں قدر تھی نہ کہ اس کے برعکس۔امراؤ کا مجرا، غزل اور اس کے بتانے کے انداز سے متاثر ہو کر نواب سلطان تخلیے میں ملنے پر آمادہ ہو گئے۔اس ملاقات میں امراؤ کا رنگ نواب پر اس کی خواندگی، تحریر شناسی اور شعری ذوق کے سبب چڑھتا ہے۔(۱۰) امراؤ کی ادائیں اگر نواب کو کھینچ لاتی ہیں تو یہ 'خوبیاں' اُسے باندھ رکھتی ہیں۔یعنی یہ ثقافتی سرمایہ ہے جس نے نواب کو امراؤ پر فریفتہ کیا اور ان کے درمیان تعلق استوار ہو گیا۔اس سرمائے سے عاری طوائف کے لیے یہ ممکن نہ تھا۔

نواب جعفر علی کی ملازمت میں امراؤ کو سوز خوانی سیکھنے کا موقع ملا۔اس وصف کے سبب اس کی شہرت "دور دور" پہنچ گئی۔(۱۱) سوز خوانی سے ثقافتی سرمائے میں اضافہ ہوا۔سوز خوانی کو ثقافت میں قبولیت (Acceptance) حاصل ہے۔امراؤ مختلف ہنر سیکھ کر سماجی سطح پر اعتراف اور قبولیت حاصل کر رہی ہے۔وہ ان ہنروں اور صلاحیتوں کا ماخذ نہیں ہے۔اس لیے لکھنوی ثقافت کو رنڈی سے ماخوذ سمجھنا حقیقت کو الٹا کر کے دیکھنا ہے۔اگر صورتِ حال وہی ہوتی جو اردو تنقید و تحقیق کی خواہش ہے تو امراؤ یہ سب نہ سیکھتی۔طوائف نے وہ ہنر سیکھے ہیں جو سماج میں پسند کیے جاتے ہیں۔امراؤ سوز خوانی "کی بدولت نواب ملکہ کشور کے محل تک" پہنچ گئی۔(۱۲) ملکہ نے امراؤ کو اس کے ڈامنی پنے کی بجائے سوز خوانی میں شہرت کے سبب بلوایا ہے۔ثقافت نے امراؤ کے لیے یہ امکان فراہم کیا۔ایک جمعدار کی بیٹی کا امراؤ بن کر شاہی محل تک پہنچ جانا سماجی تبدیلی کا اظہار ہے۔یہ تبدیلی معاشی اور سماجی دونوں حوالوں سے بہتری (Ascending) کی حامل ہے۔امیرن کو دربار تک رسائی کہاں مل سکتی تھی، نوابوں کا اس کے اوصاف کی قدر کرنا، اس سے ملنے کی درخواستیں کرنا اس کے ڈومنی پنے کے سبب نہیں، تربیت کی وجہ سے ہوا ہے۔نواب اگر محض حسن کے متمنی ہوتے تو امراؤ کو ویسی کامیابی ملنا ممکن نہ تھا، جیسی ادب، موسیقی اور سوز خوانی میں تربیت اور مہارت سے ملی۔سماجی تعزز کے اہرام میں بادشاہ چوٹی پر موجود ہوتا ہے۔امراؤ کا فن کی بنیاد پر اس مقام تک پہنچ جانا دلیل ہے کہ بادشاہ نے بھی اس کی حیثیت کو تسلیم کر لیا ہے۔یہ بار، بہرکیف امیرن کو نہ مل سکتا تھا۔ایک صورت البتہ تھی کہ اس میں بھی یہی اوصاف پیدا ہو جاتے جن کی قدر دانی ہوتی تھی۔

امراؤ کی حیثیت اور اپنی باقی زندگی تنہا گزارنے کے فیصلے کی بہتر تفہیم کے لیے اس کا تقابل شاہدِ رعنا کی ننھی سے کیا جا سکتا ہے۔اپنے اصلاحی رجحانات کے تحت سرفراز عزمی نے ننھی کو گھر بسانے کی راہ دکھائی اور اس کی زبانی طوائفوں کو نصیحت کی کہ توبہ تائب ہو کر اگر وہ شادی کر لیں تو بڑھاپا خراب ہونے کا اندیشہ نہ رہے گا اور نائیکہ بننے کی زحمت سے بھی نجات مل جائے گی۔امراؤ کا نقطہ نظر ہے کہ کوئی طوائفوں کو سچے دل سے چاہنے والا نہیں ملتا، "سچی چاہت کا مزاہ اسی نیک بخت کا حق ہے، جو ایک کا منھ دیکھ کے دوسرے کا منھ کبھی نہیں دیکھتی تجھ جیسی بازاری

شغل کو یہ نعمت خدا نہیں دے سکتا۔'' (۱۳) سرفراز دہلوی کے مقابلے میں یہ بیان یاسیت میں ڈوبا ہے۔ رسوا کی نظر میں واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچتا، سرفراز کی نظر میں امکان موجود ہے۔اس سے قطع نظر امراؤ کا فیصلہ اپنی خو بچانے پر قائم ہے۔ وہ کسی کی باندی بن کر نہیں رہنا چاہتی، نہ نائیکہ بن کر اپنا سب کچھ نوچی کے حوالے کرنا چاہتی ہے۔ وہ کتب بینی اور قیافہ شناسی جیسے مشاغل اپناتی ہے۔ وہ شادی شدہ زندگی کو قید تصور کرتی ہے۔

''میں بہت دن ہوئے سچے دل سے توبہ کر چکی ہوں اور حتی الوسع نماز روزے کی پابند ہوں۔ رہتی رنڈی کی طرح ہوں۔ خدا چاہے مارے، چاہے جلائے مجھ سے پردے میں گھٹ گھٹ کے تو نہ بیٹھا جائے گا۔'' (۱۴)

امراؤ کے اعتماد کا یہ عالم ہے کہ مردوں کو ترکی بہ ترکی جواب دینے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ جب نواب سلطان نے کہا کہ طوائفیں دوسروں کی شاعری اپنے نام سے سناتی ہیں تو اس نے وہیں پلٹ کر جواب دیا کہ یہ عیب مردوں میں بھی موجود ہے۔ اپنی زندگی آزادانہ گزارنے کا اختیار اور لہجے کا یہ اعتماد اس دور کی خواتین میں عموماً دیکھنے کو نہیں ملتا۔ جس پابندی کو نھمی بخوشی قبول کرتی ہے، امراؤ اسے تسلیم نہیں کرتی۔ ایک تائب زندگی گزارنے کے باوصف وہ خود مختاری چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ اسے یقین ہے کہ گھریلو زندگی کا دائرہ آزادی سلب کر لیتا ہے۔ اس کے کردار کا یہ وصف اسے نھمی سے مختلف ثابت کرتا ہے۔ اصلاح کی بجائے ناول کا عمل اپنی لازمیتوں اور امکانات پر بنیاد رکھتا ہے، اسی لیے حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ امراؤ نے رنڈی پُنا چھوڑا کہ وہ پیدائشی طوائف نہ تھی، لیکن جو آزادی اس کی فطرت کا حصہ بن گئی ہے اسے چھوڑنے کو طبیعت مائل نہ ہوئی۔ اس کا ثقافتی سرمایہ شاعری کی محفلوں کا حصہ بننے اور مردوں سے برابری کی سطح پر معاملہ کرنے کا امکان فراہم کرتا ہے۔ یہ سرگرمیاں اور مرضی کی زندگی گزارنے کا فیصلہ اس کے اختیار کا اظہار ہیں۔ فیضو کے ساتھ لکھنؤ چھوڑنا اور اس کی گرفتاری پر واپسی کی بجائے کان پور کا چلے جانے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ امراؤ کو اپنی خود مختاری عزیز تھی۔ اگرچہ کان پور کے لوگوں کا طرزِ عمل، رویہ، بول چال کچھ بھی اس کے دل کو نہ لگا تاہم ''خود مختاری کی زندگی میں کچھ ایسا مزہ ہے کہ واپس [لکھنؤ] جانے کو جی نہیں چاہتا۔'' (۱۵) کانپور میں ایک مولوی کی معرفت کمرہ کرائے پر لینا ایک اور دل چسپ حقیقت کا غماز ہے۔ یہاں بھی طوائف کے پیشے کو حاصل قبولیت دکھاتی ہے یہ صرف لکھنو سے خاص نہیں، تماش بین مردوں کی دنیا میں طوائف کا کاروبار چل نکلنا چنداں مشکل نہ تھا۔ اس پر مستزاد امام مسجد کا امراؤ کی مکان کرائے پر لینے میں مدد کرنا، ثابت کرتا ہے کہ اس کی نظر میں وہ ایک بے سہاری خاتون ہے جس کی مدد کرنا ضرور ہے، اس بات سے قطع نظر کہ اس کا پیشہ کیا ہے۔ یہاں ایک پل کے لیے بھی کان پور میں عموماً اور مولوی کے ضمن میں خصوصاً امراؤ کے پیشے کی نسبت کوئی سوال پیدا نہیں ہوا۔ ظاہر تو ایک طرف، رسوا نے مولوی کے دل میں بھی کوئی ایسا جملہ کھٹکتا نہیں دکھایا، جس سے اس کی ناپسندیدگی ظاہر ہوتی ہو۔

امراؤ کے طرز فکر اور زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کے فیصلے کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے ناول کے پہلے باب کا جائزہ مفید ہو سکتا ہے۔ رسوا نے ناول کا آغاز مشاعرے سے کیا جو ثقافتی منطقہ (Cultural Space) کی تفہیم

کا ایک بنیادی ذریعہ ہے۔ مشاعرہ یہاں محض وقت گزاری کا مشغلہ یا کوئی تفریحی سرگرمی نہیں ہے۔ اس ثقافت میں شاعری ایک تہذیبی قدر کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ اس سے واقفیت کا درجہ، مہذب ہونے کا پیمانہ ہے۔ یہاں شاعری سخن سازی بھی ہے، سخن فہمی بھی اور راہِ سخن بھی۔ مشاعرہ یہاں سماجی تعامل (Social Interaction) کا ذریعہ ہے۔ یہ وہ سماجی منطقہ ہے جس میں کوئی فرد اپنے ثقافتی سرمائے یعنی تہذیب، تربیت، ذوق، خلاقی، ذہانت، ذکاوت اور نکتہ فہمی، دکھا، آزما اور سیکھ سکتا ہے۔ شاعری کو اس تصورِ کائنات میں تقدس کا درجہ حاصل ہے۔ مثلاً ایک موقع پر ناول ربط ضبط میں التجا کے دوران ایک مصرعہ: اپنے پیارے حبیب کا صدقہ منھ سے اچانک نکل جاتا ہے تو سلطانِ عالی اسے دعا کے مقبول ہو جانے پر محمول کرتے ہیں۔ امراؤ جان ادا کا آغاز مشاعرے سے کرنا رسوا کے لیے پلاٹ کی بنت میں کئی امکانات (Probabilities) اور سہولتیں فراہم کرتا ہے۔ یہ بچھڑوں کو ملانے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اس میں امراؤ کی آمد کئی حوالوں سے اہم ہے۔ ایک تو اس کی تائب زندگی کی طرف توجہ جاتی ہے۔ حقیقت نمائی (Verisimilitude) پیدا کرنے کے لیے رسوا یہ آغاز میں ہی بتا چکے ہیں کہ ان کے ایک دوست 'اطراف دہلی' کے رہنے والے منشی احمد حسن لکھنو میں 'بہ طریقِ سیر و سیاحت' آئے ہیں۔ ان کو لکھنو کی دل چسپیاں دیکھنے کا شوق ہے جس کی تسکین کے لیے چوک میں سید حسین کے پھاٹک کے پاس کمرہ لے کر رہنے اور وہاں مختلف سرگرمیاں شروع کر دی گئی ہیں۔ یہیں رسوا اس کمرے سے متصل ایک اور کمرے کا ذکر کرتے ہیں۔ قرینے سے معلوم ہوا کہ اس میں کوئی طوائف رہتی ہے، وہ قرینہ کبھی کبھار شام کو گانے کی آواز کا آنا تھا۔ اس کے علاوہ جو تفصیل یہاں دی گئی ہے، وہ ایک زندگی سے علیحدگی (Abandoned) اختیار کیے ہوئے شخص کی ہے۔ کھڑکیوں میں پردے پڑے رہنا، چوک کی طرف دروازے کا مقفل رہنا اور گلی کی جانب سے نوکروں کی آمد و رفت کا ہونا، ایک ایسے فرد کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو زندگی کی نیرنگیوں سے منھ موڑ بیٹھا ہے۔

رسوا بڑی مہارت سے منشی احمد حسن کے کمرے کے بے تکلف مشاعروں میں سے ایک کا حال شامل کتاب کرتے ہیں جو اس انتخاب (Selection) کی مثال ہے جس سے ناول نگار اپنی دنیا تعمیر کرتا ہے۔ یہاں مشاعرہ اور امراؤ کے کمرے کا یہ بیرونی منظر مل کر امکان پیدا کرتے ہیں کہ امراؤ کی تائب زندگی کی تصویر ابھاریں اور ساتھ ہی یہ سوال بھی قاری کے ذہن میں پیدا کریں کہ امراؤ نے یہ تنہائی کیوں اختیار کر رکھی ہے۔ اسی سے رسوا کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی تعلق کے حوالے سے امراؤ سے سوال کریں کہ وہ یہاں ان حالوں میں کیسے، کیوں کر پہنچی، جس کے بعد اس پوری کہانی کا جواز پیدا ہوتا ہے جو امراؤ اپنی سوانح کی صورت میں سناتی ہے۔ منشی احمد حسن اور کمرے کی بیرونی تفصیل اس تجسس کو ابھارنے اور سوال کا امکان پیدا کرنے کے لیے آئے ہیں۔

اب آیئے مشاعرے کی جانب۔ مشاعرہ شریف ثقافت کی ایک اہم سرگرمی ہے۔ اس میں شرفا مل بیٹھتے، اپنی زبان دانی کا اظہار کرتے اور اس ذوقِ شعری کا بھی جو تربیت کے دوران انھوں نے اکٹھا کیا ہے۔ مشاعرے کی دو حیثیتیں سامنے آئیں، تربیت گاہ کی اور تربیت کی امتحان گاہ کی بھی۔ پھر یہ وہ سرگرمی ہے جس کا تعلق اجتماع سے ہے۔ اس اجتماع میں آنے کا موقع اس خاص حلقے میں شامل ہونے کا ہے جو شرفا سے خاص ہے۔ یاد رہے کہ رسوا بتا

چکے کہ یہ طرحی مشاعرہ نہیں، اس لیے اسے عوامی اجتماع (Public Gathering) نہیں تصور کیا جا سکتا، یہ ''بے تکلف احباب'' کی محفل ہے۔ یہ اہم ہے کہ امراؤ کو اس خاص محفل میں بار ملا ہے اور وجہ ظاہر ہے اس کا مذاقِ شعر ہے۔

اسی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالنے میں مدد ملتی ہے کہ یہ ثقافتی سرمایہ ہے، جس کے بل پر طوائفوں کو مقبولیت حاصل ہو رہی ہے اور خاص محفلوں میں آنے کی اجازت بھی۔ رسوا نے مشاعرے کی مدد سے مقبول صنف غزل کو بھی ناول میں شامل کر لیا ہے اور سلیقے سے۔ اس میں مختلف رنگ کی غزلیں بھی آ گئیں، لوگوں کا مذاق، داد کا انداز، داد کا سبب، لفظی تکرار سب ہی آ گیا۔ یہ مثال بھی مل گئی کہ اگر کسی سے کچھ کہنا ہے تو شعر کے ذریعے، لباس پر چوٹ کرنا ہے تو سہارا شعر کا ہے۔ اشراف ثقافت میں جو زنانہ مردانہ کے علیحدہ علیحدہ (Separate World) ہونے کا تصور ہے(۱۶)، اس میں مشاعرہ ایک ایسی سماجی سرگرمی ہے جسے مخلوط بنانے کا موقع موجود ہے۔ بصورتِ دیگر امراؤ سے کوٹھے پر ملاقات ہوتی، جس سے ناول کا رُخ اور امراؤ کی شخصیت اور ہی رنگ میں سامنے آتے۔ امراؤ کے شعری مذاق اور آخر میں اپنی اختیار کردہ تنہائی سے معمور زندگی کو سامنے لانے کا موقع بھی مشاعرے سے ملا، کوٹھے پر بھی جانا نہیں پڑا۔ پہلا تعارف ایک پختہ مذاق شاعرہ کی صورت میں ہو گیا جس سے مدد ملی کہ ناول میں اس کا مجبوراً رنڈی بنا دیا جانا اور خود اس پیشے کو ناپسند کرنا بھی، قابلِ یقین لگنے لگے۔ سو مشاعرہ یہاں حقیقت کا تاثر (Reality Effect) پیدا کر رہا ہے، امراؤ کی شخصیت کا صائب تعارف بھی ہے اور تہذیبی منطقے کا اظہار بن کر آیا ہے۔ اسی سے یہ برآمد ہوا کہ امراؤ اپنے ثقافتی سرمائے کی بنیاد پر خاص خاص محفلوں میں بار پاتی ہے۔ یہی وہ سماجی تحرک ہے جو اس کے کردار میں نظر آتا ہے اور اپنے اندر اختیار کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ بطور ایک عام عورت کے شاید وہ اس صعودی سماجی تحرک کو حاصل نہ کر پاتی۔ یہ سماجی تحرک ہی ہے جس نے اس کے لیے آزاد زندگی جینے کو ایک ایسی عادت میں بدل دیا ہے کہ تائب ہونے پر بھی وہ تنہا آزادی کی زندگی گزارنا چاہتی ہے، اسے گھٹ گھٹ کر مرنا قبول نہیں۔ دوسری بات یہ کہ امراؤ کا یوں کسی مرد کے سہارے کے بغیر زندگی گزارنا اس طرف بھی اشارہ کر رہا ہے کہ اگر معاشی خود مختاری حاصل ہو تو سماجی آزادی بھی ممکن ہے۔ یہ امراؤ کے لیے اسی سبب سے ممکن ہو سکا ہے کہ اس کے پاس ''اس قدر اندوختہ'' موجود ہے کہ اپنی زندگی سہولت سے بسر کر سکتی ہے۔ سو سماجی اختیار معاشی آزادی پر انحصار کر رہا ہے۔ اختیار اور معیشت میں تعلق کی مثالیں ایسے ناولوں میں بھی دکھائی دے جاتی ہیں جو عورت کو 'لونڈی' ثابت کرنے اور اسے یہ بات تسلیم کروانے کے لیے تبلیغ کا روپ دھار لیتے ہیں۔ تاہم ان کا عمل کچھ 'اور' ہی کہتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ رسوا کے ناول میں، طوائفوں کی عمومی قسمت کے برعکس جن میں کہانی کا خاتمہ ان کی موت پر ہوتا ہے، یاس میرسی کی زندگی پر، اور وہ عموماً کوئی ''شریف بی بی'' نہیں بن پاتیں، امراؤ نا صرف ایک پرسکون آزاد زندگی گزارتی ہے بلکہ وہ ایک معروف شاعرہ اور شعروسخن کی سرپرست کا کردار بھی حاصل کر لیتی ہے۔(۱۷)

حوالہ جات وحواشی:

[نوٹ: یہ مضمون میرے پی ایچ ڈی کے مقالے کے ایک حصے کی ایک تبدیل شدہ صورت ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد نعیم، ''قیامِ پاکستان سے پہلے اردو ناول کا ثقافتی مطالعہ'' (مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جی سی یونیورسٹی لاہور، ۲۰۱۴ء)]

(1) Pitirim A. Sorokin, ***Social and Cultural Mobility*** (New York: Free Press, 1959), p3.

(2) Ibid, p5.

۳۔ مرزا رسوا، **امراؤ جان ادا**، مرتبہ ظہیر فتح پوری (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۹ء)، ص ۴۶۔

۴۔ ایضاً، ص ۴۹

۵۔ ایضاً، ص ۶۹

۶۔ ایضاً، ص ۷۲

۷۔ **شاہدِ رعنا** میں سماجی تبدیلی کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون: محمد نعیم، ''سماجی تبدیلی، معیشت اور انسانی اختیار: **شاہدِ رعنا** ایک مطالعہ'' **اورینٹل کالج میگزین** ۹۰، شمارہ ۲ (۲۰۱۵):۶۶-۱۵۹

۸۔ رشید حسن خان، '' مقدمہ،'' مشمولہ **مثنویاتِ شوق**، مرزا شوق (نئی دہلی: انجمن ترقیِ اردو ہند، ۱۹۹۸ء)؛ نیر مسعود، ''خواہش زدہ تحقیق؛'' مشمولہ **منتخب مضامین** (کراچی: آج کتابیں، ۲۰۰۹ء)، ص ۲۱۳-۱۹۹۔؛ تہذیبی زندگی میں طوائفوں کو مرکز سمجھنا کچھ لکھنو والوں کے مطالعے میں ہی سامنے نہیں آتا، جب بھی 'زوال' کا تذکرہ ہو، قرعہ فال انھی عورتوں کے نام نکلتا ہے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کی ذمہ دار بھی یہی خواتین ٹھیرائی جاتی ہیں، مثال کے لیے دیکھیے: معصومہ بخاری، ''ہندی مسلم تہذیب: داغ کے حوالے سے،'' **صحیفہ**، ۸-۱۲۷ (جنوری- جون ۱۹۹۱ء):ص ۹۶۔

۹۔ رسوا، **امراؤ جان ادا**، ص ۹۳

۱۰۔ ایضاً، ص ۷-۱۰۵ا؛ مرثیے خوانی میں 'بتانے' کے فن پر تفصیل کے لیے دیکھیے: نیر مسعود، **مرثیہ خوانی کا فن**، دوسرا پاکستانی ایڈیشن (کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۰۵ء)، ص ۲-۷۲۔

۱۱۔ رسوا، **امراؤ جان ادا**، ص ۱۱۹۔ اس پہلو کی طرف بریڈی نے بھی توجہ دلائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

Daniela Bredi, "Fallen Women: A Comparison of Rusva and Manto," ***The Annual of Urdu Studies***, No. 24(2009):p117.

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۰-۱۱۹

۱۳۔ رسوا، **امراؤ جان ادا**، ص ۳۰۱

۱۴۔ ایضاً، ص ۳۰۰

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۹۳۔ امراؤ کے حوالے سے اردو میں اس کے حقیقی کردار ہونے کی بحثیں بھی چلتی رہی ہیں۔ اس پر ہماری رائے

میں میمونہ انصاری دلائل سے ثابت کر چکی ہیں کہ یہ ایک من گھڑت کردار ہے، جسے اس فنی مہارت سے لکھا گیا ہے کہ حقیقت کا گمان گزرتا ہے۔ اس کے دلائل کے لیے دیکھیے: میمونہ بیگم انصاری، ''امراؤ جان ادا،'' **صحیفہ** ۲۲(جنوری ۱۹۶۳ء): ص ۳-۳۰۔ اس ضمن میں فرانسس پریچیٹ نے بھی متن کے اندر سے دلائل دے کر ثابت کیا ہے کہ امراؤ ناول کا کردار ہے، کوئی حقیقی عورت نہیں۔ اس کے دلائل جاننے کے لیے دیکھیے:

Frances Prtichett,"Some of the many signs that we are reading a NOVEL, not an autobiography," last modified July 15, 2008,

http://www.columbia.edu/itc/mealac/pritchett/00urdu/umraojan/00inconsistencies_fwp.html?

(16) Hanna Papanek, "Purdah: Separate Worlds and Symbolic Shelter", ***Comparative Studies in Society and History*** 15(June 1973):p 289-325

(17) Kamran Asdar Ali, ***Courtesan in the Living Room***, ISIM15(2005): p 32

کامران علی نے لکھا ہے کہ اصلاحی رجحانات نے عورتوں کو جہاں تعلیم کی آزادی فراہم کی، وہیں ان کو صرف گھریلو منطقے تک محصور بھی کیا جو نوابی عہد میں نہیں ہوتا تھا (ص33)۔ کامران صاحب اس حقیقت کو نظر انداز کر گئے ہیں کہ پردے کی پابندی صرف اشراف خواتین تک تھی البتہ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ موجودہ دور میں پردہ ایسے گھرانوں میں بھی ایک بنیادی مظہر بن گیا ہے جو اشراف کی فہرست میں شامل نہیں تھے۔ یوں ایک حد تک کلامی نمائندگیوں (Discursive Representations) نے ایک طبقے کی اقدار کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ کیوں کہ اجلاف ذاتوں میں پردے کی رسم کا اجرا اور قبولیت اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اشراف بننے کے لیے اس مظہر کو ایک نشان (Icon) کے طور پر مان لیا گیا ہے اور یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کرنے والے ہی معزز کہلانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔

◁▷